جمہوریت نظامِ کفر ہے

حزب التحریر

جمہوریت نظامِ کفر ہے

اسے اختیار کرنا، اسے نافذ کرنا

اور اس کی طرف دعوت دینا

حرام ہے

حزب التحریر

عبدالقدیم زلّوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ
فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ
وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا (59) أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ
مِن قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوٓاْ أَن يَكۡفُرُواْ بِهِۦۖ وَيُرِيدُ
ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمۡ ضَلَٰلَۢا بَعِيدٗا (60) وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡاْ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى
ٱلرَّسُولِ رَأَيۡتَ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودٗا (61) ﴾

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں تنازعہ کرو تو اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹادو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کردیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور جا ڈالے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے نازل کردہ حکم کی طرف، اور رسول کی طرف، تو آپ منافقین کو دیکھیں گے، کہ رُک رُک کر آپ سے ہٹتے ہیں"

(سورۃ النساء)

جمہوریت نظامِ کفر ہے

جمہوریت، جسے کافر مغرب نے مسلمانوں کے ممالک میں داخل کیا، ایک کافرانہ نظام ہے، جس کا اسلام کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

جمہوریت اسلامی احکامات سے مکمل طور پر متناقض ہے:

- کلیات اور جزئیات کے لحاظ سے،
- اُس مصدر کے لحاظ سے، جس سے یہ نکلی ہے،
- اُس عقیدہ کے لحاظ سے جس سے یہ پھوٹی ہے،
- اُس بنیاد کے لحاظ سے جس پر یہ قائم ہے،
- اور اُن افکار اور نظاموں کے لحاظ سے، جنہیں یہ اپنے ساتھ لائی ہے،

لہٰذا مسلمانوں کے لیے جمہوریت کو اختیار کرنا، اسے نافذ کرنا یا اس کی طرف دعوت دینا بالکل حرام ہے۔

○ جمہوریت ایک ایسا نظامِ حکومت ہے، جسے انسانوں نے اس لیے بنایا تھا کہ وہ ظالم حکمرانوں سے نجات حاصل کر سکیں اور دین کے نام پر لوگوں کو محکوم بنانے کے عمل سے چھٹکارا پا سکیں۔ چنانچہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کا منبع خود انسان ہیں، اور وحی یا دین کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی ابتداء کی بنیاد یہ ہے کہ یورپ میں حکمران یہ گمان کرتے تھے کہ حکمران زمین پر اللہ کا وکیل ہوتا ہے۔ اور اس کی انسانوں پر حکمرانی اللہ کے دیے ہوئے اختیار کی بنا پر ہے۔ یورپ کے حکمران یہ گمان بھی کرتے تھے کہ اللہ ہی نے حکمران کو قانون سازی اور اس کے نفاذ کا اختیار دیا ہے۔ یعنی انہیں اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کے ذریعے انسانوں پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ چونکہ وہ اپنی قوت کو اللہ سے حاصل کردہ تصور کرتے تھے، نہ کہ لوگوں سے، اس لیے وہ انسانوں پر ظلم کیا کرتے تھے اور اپنے اس غلط گمان

کی وجہ سے وہ لوگوں کو ایسے محکوم بناتے تھے، جیسے ایک آقا اپنے غلام کو بناتا ہے۔ اسی وجہ سے حکمرانوں اور عوام الناس کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی۔ پھر فلاسفر اور مفکرین میدان میں آ گئے۔ حکومت کے موضوع پر مباحث شروع ہو گئے۔ پس انہوں نے عوام کی حکومت کا ایک نظام وضع کیا، جو یہی جمہوری نظام ہے۔ اس نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں گے، حکمران ان سے قوت حاصل کرے گا اور حاکمیت عوام کی ہو گی۔ عوام اپنے ارادوں کے خود مالک ہوں گے۔ وہ اسے عملی جامہ پہنائیں گے اور اپنی مرضی سے حکومت چلائیں گے اور ان پر کسی کی بالادستی نہیں ہو گی۔ وہی بالادست ہوں گے، وہی حکومت کے لیے قانون سازی کریں گے، اور اس کے مطابق چلیں گے اور وہی حکمران متعیّن کریں گے، تاکہ وہ حکمران اس قانون کے مطابق، جس کو عوام نے بنایا ہے، ان کی نمائندگی کرتے ہوئے اُن پر حکمرانی کرے۔

چنانچہ جمہوری نظام کا منبع صرف اور صرف انسان ہے، وحی یا دین کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جمہوریت ایک مغربی لفظ اور مغربی اصطلاح ہے، جس کا اطلاق ''عوام کی قانون سازی کے ذریعے، عوام کے لیے، عوام کی حکومت'' پر ہوتا ہے۔ پس عوام ہی بالادست اور بااختیار ہیں، جو زمامِ اقتدار کے مالک ہیں۔ وہ اپنے ارادے کے مطابق چلیں گے اور اسی ارادے کو استعمال کریں گے۔ وہ کسی اور قوت کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ اور صاحبِ اختیار ہونے کی وجہ سے عوام ہی اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے نظام اور قوانین بنوائیں گے۔ اور اپنے مقرر کردہ حکمرانوں اور ججوں کے ذریعے ان قوانین اور نظاموں کو نافذ کریں گے۔ چونکہ عوام قوت کا سرچشمہ ہیں، لہٰذا یہ لوگ (حکمران اور جج) انہی سے قوت حاصل کریں گے۔ اور عوام کے ہر فرد کو ریاست بنانے، حکمران مقرر کرنے، قوانین اور نظام وضع کرنے کا مساوی حق حاصل ہے۔

جمہوریت کی اصل، یعنی عوام کا بذاتِ خود حکومت کرنا، اسی طرح ہے کہ تمام کے تمام لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور نظام اور حکمرانی کے قوانین بنائیں، اپنے معاملات کو چلائیں اور جن امور کے فیصلے کی ضرورت ہو، ان کا فیصلہ کریں۔ لیکن چونکہ تمام عوام کا قانون سازی کا ادارہ بنانے کے لیے ایک میدان میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں، اسی لیے

وہ مجلسِ قانون ساز کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں،اور اسی کو پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔جمہوری نظام میں پارلیمنٹ ہی عوام کی خواہشات کی نمائندگی کرتی ہے اور عوام کے ارادوں کا یہی سیاسی ڈھانچہ ہے۔یہی حکومت تشکیل دیتا ہے اور یہی مملکت کے لیے سربراہ کا چناؤ کرتا ہے،تاکہ وہ سربراہ عوام کے ارادوں کو نافذ کرنے کے لیے ان کا وکیل اور حاکم بنے۔وہ اپنی قوت بھی عوام سے حاصل کرتا ہے، جنہوں نے اپنے بنائے ہوئے قوانین اور نظاموں کے مطابق حکومت کرنے کے لیے اسے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا اصل بالادستی عوام کی ہے۔ وہی قانون بناتے ہیں اور وہی ان قوانین کو نافذ کرنے کے لیے حکمران کا انتخاب کرتے ہیں۔

چونکہ اس نظام میں عوام خود اپنے حاکم ہوتے ہیں،اپنی بالادستی کو استعمال کرتے ہیں،وہ قوانین اور زندگی کے بارے میں نظام بناکر اپنے ارادے کو نافذ کرتے ہیں اور بغیر کسی دباؤ اور مجبوری کے،اپنے حکمران کا انتخاب کرتے ہیں، چنانچہ عام آزادیاں ہی وہ بنیاد ہیں کہ جن کا اہتمام جمہوریت عوام کے ہر فرد کے لیے کرتی ہے،تاکہ عوام کو واقعی آزادی حاصل ہو اور وہ اپنے ارادے پر عمل کریں اور کسی دباؤ اور مجبوری کے بغیر،اپنے آپ کو آزادی کی انتہاء تک پہنچائیں۔ان عام آزادیوں کو مندرجہ ذیل چار آزادیوں کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(1) عقیدہ کی آزادی

(2) آزادیٔ رائے

(3) آزادیٔ ملکیت

(4) شخصی آزادی

جمہوریت دنیاوی امور سے دین کی علیحدگی کے عقیدہ سے نکلی ہے اور اسی عقیدے پر سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی قائم ہے۔ یہی درمیانی حل یا سمجھوتے (حلِ وسط) کا عقیدہ ہے، جس نے یورپ و روس کے بادشاہوں اور فلاسفر و مفکرین کے درمیان کشمکش کے نتیجے میں جنم لیا۔ کیونکہ بادشاہ عوام کو غلام بنانے،ان پر ظلم کرنے اور ان کا خون چوسنے

کے لیے دین کو کا ذریعہ بناتے تھے، اس گمان کی بناپر کہ وہ زمین پر اللہ کے وکیل ہیں، اور وہ اس مقصد کے لیے دین دار لوگوں کو اپنا آلہ کار بناتے تھے۔ چنانچہ ان کے اور عوام کے درمیان ایک خوفناک کشمکش برپا ہوئی۔ اسی دوران فلاسفر او رمفکرین میدان میں کود پڑے۔ ان میں سے کچھ نے تو دین کے وجود کا سرے سے ہی انکار کر دیا اور بعض لوگوں نے دین کا اعتراف تو کیا، لیکن زندگی سے علیحدگی اور پھر اس کے نتیجے میں دین کی مملکت سے علیحدگی کا نعرہ لگایا۔ یہ کشمکش ''درمیانی حل (حلِ وسط)'' کی فکر پر منتج ہوئی۔ یعنی دنیاوی امور سے دین کی جدائی کی فکر پر، اور اس کے نتیجے میں لازمی طور پر دین ریاست سے بھی جدا ہو گیا۔ یہی فکر وہ عقیدہ ہے، جس پر سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی قائم ہے اور یہی اس آئیڈیالوجی کا فکری اصول ہے، جس پر اس کے تمام افکار استوار ہیں۔ اور یہ عقیدہ ہی سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کی فکری سمت اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کی اساس ہے اور اسی بنیاد پر یہ آئیڈیالوجی زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتی ہے۔ چنانچہ یہی وہ فکری قیادت ہے، مغرب جس کا علمبردار ہے اور پوری دنیا کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔

جب اس عقیدہ نے مذہب اور چرچ کو ریاست اور زندگی سے، پھر نظام اور قوانین وضع کرنے سے اور حکمرانوں کے تقرر اور اتھارٹی کے ذریعے ان کی مدد کرنے سے دور کیا، تو عوام کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے لیے نظام کا انتخاب بھی خود کریں۔ وہ اپنے نظام اور قوانین خود بنائیں اور ایسے حکمران مقرر کریں، جو ان نظاموں اور قوانین کے مطابق ان پر حکومت کریں اور حکمران اپنی قوت بھی عوام کے جمہوری ارادوں سے حاصل کریں۔

یہاں سے جمہوری نظام کی ابتداء ہوتی ہے۔ پس دین کے دنیاوی امور سے علیحدہ ہونے کی فکر ہی وہ عقیدہ ہے، جس سے جمہوریت پیدا ہوئی اور یہی اس کا فکری قاعدہ ہے، جو جمہوریت کے تمام افکار کی بنیاد ہے۔

جمہوریت ان دو افکار کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے:

(الف) حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے۔

(ب) طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

یہی وہ دو افکار تھے جنہیں فلاسفر اور مفکرین، بادشاہوں اور شہنشاہوں سے رسہ کشی کے دوران یورپ میں لے کر آئے تاکہ ''خدائی حق'' کے اس نظریے کو ختم کیا جاسکے، جو اس وقت یورپ میں چھایا ہوا تھا۔ اور جس کی وجہ سے بادشاہ سمجھتے تھے کہ عوام پر ان کا خدائی حق ہے۔ وہی قانون سازی، حکومت اور فیصلوں کے مالک ہیں۔ وہ ریاست ہیں اور عوام ان کی رعایا ہیں، اور قانون سازی میں عوام کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح اقتدار اور فیصلے میں، اور نہ کسی اور چیز میں انہیں کوئی حق حاصل ہے۔ وہ ایسے غلام کی مانند ہیں، جس کی کوئی رائے یا ارادہ نہیں، بلکہ اس پر اطاعت اور احکامات کو بجالانا فرض ہے۔

چنانچہ مذکورہ دو افکار خدائی حق کی فکر کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لیے، اور قانون سازی و اختیار کو عوام کے حوالے کرنے کے لیے پیش کیے گئے۔ کیونکہ عوام ہی بالادست ہیں، وہ بادشاہوں کے غلام نہیں، وہ اپنے وجود کے خود مالک ہیں، اور ان پر کوئی آقا نہیں۔ اس لیے لازمی طور پر وہ اپنے ارادوں کے بھی خود مالک ہیں۔ وہ اپنے ارادوں کے مطابق چلیں گے، وگرنہ وہ غلام ہی ٹھہریں گے۔ چونکہ غلام کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ دوسروں کے ارادوں پر چلتا ہے، لہٰذا جب وہ اپنے ارادوں کے مطابق نہیں چلیں گے، تو پھر وہ غلام ہی رہیں گے۔ پس عوام کو غلامی سے آزاد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اپنے ارادے کے مطابق چلنے کا حق حاصل ہو۔ اسی طرح ان کو اپنے پسندیدہ قوانین بنانے اور ناپسندیدہ قوانین کو ختم کرنے کا حق بھی حاصل ہو۔ اور چونکہ عوام ہی بالادست ہیں اور انہی کو اپنے بنائے ہوئے قانون نافذ کرنے کا حق حاصل ہے، پس وہ اپنے پسندیدہ حکمران اور ججوں کا انتخاب کریں گے تاکہ وہ اس قانون کو نافذ کریں، جسے وہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور حکمران ان سے قوت حاصل کرتے ہیں۔

بادشاہوں اور پادریوں کے خلاف انقلاب کی کامیابی اور بادشاہ کے خدائی حق کی فکر کے خاتمے کے بعد دو افکار وضع کیے گئے: ''بالادستی عوام کی ہے اور عوام ہی قوت کا سرچشمہ اور نفاذ و اجراء کا مظہر ہیں''۔ یہ وہ دو بنیادیں ہیں، جن پر جمہوری نظام قائم ہے۔ عوام قوت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے قانون ساز ہیں اور وہی قانون کو نافذ کرنے والے ہیں۔

○ جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے۔ چنانچہ قانون ساز اداروں کے اراکین عوام کے ووٹوں سے اکثریت کی بنیاد پر منتخب ہوتے ہیں۔ نظاموں اور قوانین کا بنانا، حکومت کو اعتماد کا ووٹ دینا، ان پر عدمِ اعتماد کا اظہار، یہ سب کام پارلیمنٹ میں اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ دیگر تمام فیصلے بھی، جو پارلیمنٹ سے صادر ہوتے ہیں، یا سینٹ یا دوسری مجلسوں اور کمیٹیوں میں ہوتے ہیں، اکثریت ہی کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں اور حکمرانوں کا انتخاب براہِ راست عوام کے ذریعے یا ان کے نمائندوں کی اکثریت کے ووٹوں سے کیا جاتا ہے۔

اس لیے جمہوریت کی سب سے بڑی نشانی اکثریت ہے۔ جمہوری نظام کے نقطۂ نظر کے مطابق اکثریت کی رائے ہی وہ معیار ہے، جو عوام کی رائے کو ظاہر کرتی ہے۔

جمہوریت کے معنی، اس کا مصدر، اس کی ابتداء کی کیفیت، اور وہ عقیدہ جس سے یہ نظام وجود میں آیا، اور وہ بنیاد کہ جس پر اس کی عمارت استوار ہے، اور وہ امور کہ جن کا ہونا اس کے نفاذ کے لیے ضروری ہے، ان کے متعلق یہ ایک مختصر تذکرہ تھا۔ اس مختصر تذکرہ سے درجِ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(1) جمہوریت انسانی عقل کی ایجاد ہے، اور یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ نہیں۔ یہ آسمانی وحی پر بھروسہ نہیں کرتی اور نہ اُن ادیان کی بنیاد پر پروان چڑھی ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا۔

(2) یہ دین کی دنیاوی امور سے جدائی، اور پھر اس کے نتیجے میں ریاست سے علیحدگی کے عقیدے سے نکلی ہے۔

(3) یہ دو افکار کی بنیاد پر قائم ہے:

(الف) حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے۔

(ب) اختیارات کا سرچشمہ عوام ہیں۔

(4) یہ اکثریت کی حکومت ہے۔ حکمرانوں اور پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور تمام فیصلے اکثریت کی رائے کی بناء پر کیے جاتے ہیں۔

(5) یہ عام آزادیوں کی بات کرتی ہے جو درج ذیل ہیں:

(الف) عقیدے کی آزادی

(ب) آزادیٔ رائے

(ج) ملکیت کی آزادی

(د) شخصی آزادی

ان آزادیوں کا رعایا کے ہر فرد کے لیے میسر ہونا لازمی ہے، تاکہ ہر شخص اپنی حاکمیتِ اعلیٰ کو استعمال کرنے اور اسے خود چلانے کے قابل ہو۔ نیز وہ حکام کے انتخاب اور پارلیمنٹ کے اراکین کے انتخاب میں، بغیر کسی دباؤ اور زبردستی کے، مکمل آزادی سے شامل ہونے کا حق استعمال کرنے پر قادر ہو۔

محض پہلے نکتے کو ملاحظہ کرنے سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جمہوریت کفریہ نظاموں میں سے ہے، اسلام میں سے نہیں، اور اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

○ اس سے قبل کہ ہم اسلام کے ساتھ اس کے تضاد اور اسے اختیار کرنے کے متعلق حکمِ شرعی کو بیان کریں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم یہ وضاحت کریں، کہ ان ممالک میں بھی، جہاں اس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں، اس کو حقیقی معنوں میں نافذ ہی نہیں کیا گیا اور یہ جھوٹ اور دھوکے پر مبنی ہے۔ ہم جمہوریت کے بگاڑ اور گندگی کو بیان کریں گے، نیز اس نے دنیا میں جو فساد اور تباہی مچائی، اور جن معاشروں میں اسے نافذ کیا گیا ان معاشروں میں اس کے نفاذ سے پیدا ہونے والے بگاڑ کے اثرات کا تذکرہ بھی کریں گے۔

جمہوریت اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے ایک ناقابل نفاذ خیالی نظریہ ہے۔ چنانچہ نہ تو یہ کبھی پائی گئی اور نہ کبھی پائی جائے گی۔ کیونکہ تمام عوام کا ہمیشہ ایک جگہ ہونا اور عام معاملات پر غور کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی محال ہے کہ تمام عوام حکومت اور انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں، لہٰذا انہوں نے جمہوریت کے بارے میں حیلہ بازی سے کام لیا، اس کی تاویلیں کیں اور جمہوری نظام کے لیے مملکت کا سربراہ، حکومت اور پارلیمنٹ ایجاد کی۔

تاہم اس کے باوجود، اس تاویل کے بعد بھی، اس کے معنی کا حقیقت پر اطلاق نہیں ہوتا اور نہ حقیقت میں یہ کبھی پایا گیا ہے۔ پس یہ کہنا کہ ریاست و مملکت کا سربراہ اور پارلیمنٹ عوام کی اکثریت سے منتخب ہوتی ہے، اور پارلیمنٹ ایک سیاسی ڈھانچہ ہے جو تمام عوام کے عام ارادوں کی نمائندگی کرتی ہے اور عوام کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے، ان سب باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ پارلیمنٹ کے ارکان عوام کی اکثریت کے نہیں، بلکہ اقلیت کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی سیٹ کے لیے کئی امیدوار ہوتے ہیں، ایک شخص نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے رائے دہندگان کے ووٹ ایک حلقہ کے امیدواروں پر تقسیم ہو جاتے ہیں اور جو شخص حلقۂ انتخاب میں رائے دہندگان کے زیادہ ووٹ حاصل کرلیتا ہے، وہ دراصل اُن تمام لوگوں کی اکثریت کے ووٹ حاصل کرنے والا نہیں ہوتا، جنہیں حلقے میں انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے امیدواروں میں سے کامیاب ہونے والے لوگوں نے عوام کی اقلیت کے ووٹوں سے کامیابی حاصل کی ہوتی ہے، نہ کہ اس پورے حلقہ کے تمام رائے دہندگان کی اکثریت سے۔ چنانچہ وہ اس اقلیت کے منتخب کردہ اور اسی کے نمائندے ہوتے ہیں، اور اکثریت کے منتخب کردہ اور نمائندے نہیں ہوتے۔

یہی معاملہ صدرِ مملکت کا ہے، خواہ اس کا انتخاب براہِ راست عوام کے ذریعے ہو یا ارکان پارلیمنٹ کے ذریعے، بہر حال وہ لوگوں کے ووٹوں کی اکثریت سے منتخب نہیں ہوتا بلکہ اقلیت کے ووٹوں ہی سے منتخب ہوتا ہے۔ یہی حال پارلیمنٹ کے عام اراکین کا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ امریکہ اور برطانیہ جیسے ممالک میں، جو جمہوریت کا منبع ہیں، میں ریاستوں کے سربراہ اور پارلیمنٹ کے اراکین، سرمایہ داروں اور بڑے بڑے مالدار لوگوں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں نہ اکثریت کی رائے کی۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اُنہی لوگوں کو حکومت اور پارلیمنٹ تک پہنچاتے ہیں، جو ان کے ذاتی مفادات کا خیال رکھیں۔ یہی سرمایہ دار صدارتی اور پارلیمانی انتخابات کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مملکت کے سربراہوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں پر ان کا تسلط ہوتا ہے، چنانچہ امریکہ میں بھی یہی صورت حال ہے۔

برطانیہ میں ''کنزرویٹو''(Conservatives) ہی حکمران ہیں اور ''کنزرویٹو پارٹی'' بڑے سرمایہ داروں، تاجروں، جاگیرداروں اور اونچے طبقے کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ ''لیبر پارٹی'' صرف اس وقت اقتدار میں آسکتی ہے، جب ایسی سیاسی صورتِ حال پیدا ہو، جو کنزرویٹو پارٹی کے اقتدار سے علیحدہ ہونے کا تقاضا کرے۔ چنانچہ برطانیہ میں حکمران اور پارلیمانی اراکین صرف سرمایہ داروں کی نمائندگی کرتے ہیں، عوام کی خواہشات اور ان کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے اور یہی حال امریکہ کا بھی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ اکثریت کی رائے کی نمائندگی کرتی ہے، سراسر جھوٹ اور گمراہ کن ہے۔ یہ کہنا کہ حکمران عوام کی اکثریت کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں، اور اپنے اقتدار کے لیے عوام کا سہارا لیتے ہیں، محض جھوٹ اور پروپیگنڈہ ہے۔ وہ قانون سازی، جوان مجالسِ نمائندگان میں ہوتی ہے، اور وہ فیصلے، جو یہ ممالک کرتے ہیں، ان میں عوام کے مفادات یا ان کی اکثریت کے لحاظ سے زیادہ سرمایہ داروں کے مفادات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

پھر یہ کہنا کہ حکمران اس پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے، جو عوام کے عام ارادے کو عملی جامہ پہناتا ہے، اور یہ کہ وہ بڑے بڑے فیصلے پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت کی موافقت کے بعد کرتا ہے، اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس ایڈن(British Primeminister Anthony Eden)نے مصر کے خلاف سویز جنگ کا اعلان پارلیمنٹ کو بتائے بغیر اور اپنی حکومت میں شامل وزراء میں سے دو یا تین کے سوا کسی کے علم میں لائے بغیر

کیا۔اور سویز کی جنگ کے دوران (امریکی) کانگریس نے ڈالس (US Secretary of State John Foster Dulles) سے اسوان ہائی ڈیم (Aswan High Dam) کی فائل طلب کی اور وہ اسباب پوچھے، جن کی وجہ سے سویز کی ملکیت حوالے کرنے کی پیشکش کرناپڑی تو اس نے فائل کانگریس کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا۔اسی طرح ڈیگال (French President Charles de Gaulle) اپنے وزراء کو بتائے بغیر فیصلے کیا کرتا تھا اور شاہ حسین بھی بڑے اہم اور خطرناک فیصلے وزراء یا پارلیمانی ارکان کو بتائے بغیر کرتا تھا۔

لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں پارلیمنٹ اکثریت کی رائے کی نمائندگی کرتی ہے اور حکام اکثریت کی رائے سے منتخب ہوتے ہیں اور اکثریت کے بنائے ہوئے قوانین اور ان کی خواہشات کے مطابق حکومت کرتے ہیں، یہ حقیقت اور صورتِ حال کو جھٹلانا ہے۔ یہ سفید جھوٹ اور گمراہ کن ہے۔ یہ حالات تو ان ملکوں کے ہیں، جہاں جمہوریت کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اسلامی ممالک میں مجالسِ نمائندگان کا حال تو اور بھی برا ہے۔ یہ محض برائے نام ہیں کیونکہ عالمِ اسلام میں کوئی بھی پارلیمنٹ حکمران کی شخصیت میں دخل اندازی، اسے یا اس کے نظامِ حکومت کو چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرتی، مثال کے طور پر اردنی پارلیمنٹ، جو جمہوریت کی واپسی اور آزادیوں کی وسعت کے نام پر عمل میں آئی، نے کبھی جرأت نہیں کی کہ شاہ حسین یا اس کے نظامِ حکومت کا محاسبہ کرے۔ حالانکہ پارلیمنٹ کے تمام ارکان کو معلوم ہے کہ بگاڑ اور اقتصادی زوال کا سبب نظامِ حکومت کی خرابی اور شاہی خاندان کا مال و دولت کو لوٹنا ہے۔ اس کے باوجود کسی رکن نے اس کی جرأت نہیں کی۔ انہوں نے صرف زید الرفاعی (اردنی وزیر اعظم) اور بعض وزراء پر اعتراض کیا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ زید الرفاعی اور روزراء کی حیثیت چھوٹے ملازمین کی سی ہے۔ وہ بادشاہ کی اجازت اور علم کے بغیر معمولی تصرف بھی نہیں کرسکتے۔

یہ بات ایک پہلو سے ہے، جبکہ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ عام طور پر قوانین کو پلان کے طور پر خود حکومت ہی جاری کرتی ہے اور پھر انہیں پارلیمنٹ کی طرف بھیج دیتی ہے۔ وہاں خصوصی کمیٹیاں ان کا جائزہ لیتی ہیں اور ان کے بارے میں اپنی رائے دیتی ہیں۔ اس کے بعد ارکانِ پارلیمنٹ ان کی منظوری دیتے ہیں، جبکہ ان میں بہت سے اراکین ان

قوانین کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہوتے، کیونکہ یہ لوگ ان کے بارے میں کوئی خاص معلومات ہی نہیں رکھتے۔ اس لیے یہ کہنا کہ جمہوری ملکوں میں جو قانون سازی ہوتی ہے، وہ پارلیمنٹ کرتی ہے اور وہ عوام کے عام ارادوں کے مطابق ہوتی ہے اور عوام کی بالادستی کی نمائندگی کرتی ہے، حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

حکمرانی اور حکومت سے متعلق جمہوری نظام کی سب سے نمایاں خرابی یہ ہے کہ جب کسی جمہوری ملک میں بڑی پارٹیاں نہ ہوں کہ جنہیں اکثریت حاصل ہو اور وہ حکومت تشکیل دے سکتی ہوں، تو ایسے ممالک میں حکومت ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہتی ہے اور وہاں حکومتیں ہمیشہ پے درپے سیاسی بحرانوں کی زد میں رہتی ہیں۔ کیونکہ ایسی حکومت کے لیے پارلیمنٹ کی اکثریت سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، نتیجتاً حکومت کو اقتدار چھوڑنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات کئی مہینے گزر جاتے ہیں لیکن مملکت کا سربراہ نئی حکومت تشکیل نہیں دے پاتا، جس کی وجہ سے ملک میں حکومت معطل رہتی ہے۔ اسی طرح کبھی سربراہِ مملکت عدم توازن کا شکار پارلیمنٹ کو توڑنے اور نئے انتخابات کروانے پر مجبور ہو جاتا ہے، تاکہ نئی حکومت تشکیل دی جاسکے۔ اس طرح مملکت میں غیر یقینی صورت حال پیدا ہوتی ہے اور اس کا نظام ڈانواں ڈول اور معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال اٹلی اور یونان اور ان جیسے دوسرے جمہوری ممالک ہیں۔ جہاں بہت سی پارٹیاں ہیں، اور وہاں کوئی ایسی بڑی پارٹی موجود نہیں، جو واضح اکثریت حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پارٹیوں کے درمیان سودے بازی ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹی پارٹیاں ان پارٹیوں سے مل کر حکومت بنالیتی ہیں، جو انہیں حکومت تشکیل دینے کی پیشکش کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ چھوٹی پارٹیاں اپنے مفادات کے لیے سخت شرائط سامنے رکھتی ہیں۔ اس طرح یہ چھوٹی پارٹیاں، جو انتہائی کم لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں، بڑی پارٹیوں پر حکومت کرتی ہیں، اور ملکی سیاست اور حکومتی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

جمہوری نظام کے آزادی کے نظریے نے انسان کو بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے، جو انسانیت کی تباہی کا سامان ہے اور جس کی وجہ سے جمہوری ملکوں کی معاشرتی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئی ہے۔

ملکیت کی آزادی اور مادی فائدے کو اعمال کا پیمانہ بنانے کی وجہ سے وسیع سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا۔ پھر اسے اپنے کارخانے چلانے کے لیے خام مال کی ضرورت ہوئی، اور اپنی پیداوار کو فروخت کرنے کے لیے منڈیوں کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں پسماندہ دنیا کو استعماریت میں جکڑنے، ان کی دولت پر قبضہ کرنے، ان کی پیداوار سمیٹنے، اور ان کے عوام کا خون چوسنے کے لیے دوڑ پڑیں، اور یہ دوڑ انسانی، اخلاقی اور روحانی اقدار کے بالکل منافی تھی۔

یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں شدتِ طمع و لالچ سے اپنی پیداوار کو فروخت کرنے اور اپنے دوہرے فائدے والا جنگی ساز و سامان بیچنے کے لیے انسانی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے بالکل عاری ہو کر انسانوں کی جانوں کا سودا کر کے، حرام کمائی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے، قوموں اور ملکوں میں جنگوں کی آگ بھڑکاتی ہیں۔

یہ کس قدر مضحکہ خیز اور قابل نفرت بات ہے کہ یہ جمہوری استعماری ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس، ایک طرف اپنے جمہوری ہونے پر اتراتے ہیں، اور جمہوریت، انسانی حقوق کا نعرہ لگا رہے ہیں تو دوسری طرف یہی ریاستیں انسانی اور اخلاقی اقدار پامال کر رہی ہیں۔ انسانی حقوق برباد کر رہی ہیں اور انسانی خون بہا رہی ہیں۔ چنانچہ فلسطین، جنوب مشرقی ایشیا، لاطینی امریکہ، سیاہ فام افریقہ، جنوبی افریقہ، عراق، بوسنیا ہرزگوینا اور چیچنیا اس کی مثالیں ہیں، جو ان کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کرتی ہیں اور ان کے دجل و فریب کا پول کھولتی ہیں۔

یہ شخصی آزادی کی فکر ہی ہے جس نے جمہوری ملکوں کے معاشروں کو ایک حیوانی معاشرے میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ بلکہ غلیظ جنسی روش میں وہ حیوانات سے بھی آگے نکل گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَـٰهَهُۥ هَوَىٰهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ٤٣ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَٱلْأَنْعَـٰمِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴾

"کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ کیا تم اس کے کارساز ہو گے ؟ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان کی اکثریت سنتی ہے یا سمجھتی ہے ؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"

(الفرقان:44)

ان جمہوری ملکوں کی مجالسِ نمائندگان کے بنائے گئے قوانین کی وجہ سے ان جمہوری معاشروں میں جنسی آزادی پانی پینے کی طرح عام ہے۔ اس گھٹیا جنسی روش میں ان کے کلیساؤں نے بھی ان کی طرفداری کی۔ ان کے قوانین نے مرد و عورت کو جنسی تعلق قائم کرنے اور اکٹھا رہنے کی مکمل آزادی دیتے ہوئے انہیں جائز قرار دیا۔ جب مرد یا عورت 18 برس کے ہو جاتے ہیں، تو مملکت یا والدین انہیں جنسی تعلقات قائم کرنے سے روکنے کی اتھارٹی نہیں رکھتے۔

یہ معاملہ طبعی (فطری) جنسی تعلقات کے بارے میں قانون سازی پر ختم نہیں ہوا، بلکہ ہم جنس پرستی کو بھی جائز کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی۔ یہاں تک کہ بعض جمہوری ممالک نے تو دو ہم جنسوں کے درمیان شادی کو بھی جائز قرار دیا ہے، یعنی انہوں نے مرد کے مرد کے ساتھ اور عورت کے عورت کے ساتھ شادی کرنے کو جائز قرار دے دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہراہوں، راستوں، پارکوں، گاڑیوں اور بسوں میں نوجوان لڑکے لڑکیاں سرِعام بوس و کنار کرتے، معانقہ اور چھیڑ چھاڑ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ ان کے لیے کسی تعجب یا حیرانی کی بات نہیں، کیونکہ ان کی نظر میں یہ طبعی اور فطرتی چیز ہے۔ اسی طرح عورتیں گرمیوں میں پارکوں میں سَن باتھ اس حالت میں لیتی ہیں کہ جس حالت میں ان کی ماں نے انہیں جنا تھا۔ اور گرمیوں میں عورتوں کا برہنہ ہو کر گھومنا اس معاشرے میں عام بات ہے۔

ان پست جمہوری معاشروں میں غیر فطری ہم جنس پرستی عام ہے۔ مرد کی مرد کے ساتھ لواطت، عورتوں کی آپس میں بد فعلی اور حیوانات و درندوں سے جنسی خواہش پوری کرنا عام ہو چکا ہے۔ اسی طرح مردوں اور عورتوں کے

ایک ہی جگہ اجتماعی طور پر جنسی خواہشات پوری کرنے اور ایک دوسرے سے ایک ہی وقت میں برائی کرنے میں اضافہ ہو چکا ہے، جس کی مثال حیوانوں اور درندوں کے باڑوں میں بھی نہیں ملتی۔

ایک امریکی اخبار نے اعداد و شمار سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی۔ جس میں وہ لکھتا ہے کہ یہاں اڑھائی کروڑ ہم جنس پرست افراد ایسے ہیں جو ہم جنسوں کے درمیان شادی کے بارے میں قوانین کو تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور انہیں ایسے حقوق دینے کا مطالبہ کرتے ہیں، جو میاں اور بیوی کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک اخبار نے یہ بھی شائع کیا کہ امریکہ میں دس لاکھ اشخاص ایسے ہیں، جو اپنی محرمات، یعنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے جنسی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس حیوانی جنسی روش کے نتیجے میں جنسی امراض کثرت سے پھیلے ہیں، جن میں سب سے زیادہ تباہ کن ''ایڈز''(AIDS) کی بیماری ہے۔ اسی طرح ہر سال ناجائز بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہو رہی ہے یہاں تک کہ ایک اخبار لکھتا ہے کہ 75 فیصد انگریز بچے ناجائز ہیں۔

ان معاشروں میں خاندان کا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا ہے۔ باپ، بیٹیوں، ماؤں، بھائیوں اور بہنوں کے درمیان رحمت و شفقت ناپید ہے۔ حتی کہ یہ معمولی بات ہو گی کہ دسیوں، بلکہ سینکڑوں بڑی عمر کی عورتیں اور مرد ایسے دکھائی دیتے ہیں، جو سڑکوں پر کتوں کو لیے پھرتے ہیں، وہ انہیں لے کر باغیچوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہ کتے ان کی رہائش، ان کے کھانے پینے، بلکہ سونے میں بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، اور تنہائی میں ان کے غمخوار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک تنہا زندگی گزارتا ہے، اور کتے کے سوا ان کا کوئی غمگسار اور ہم نشین نہیں ہوتا۔

یہ اس عام آزادی کی چند جھلکیاں ہیں، جو جمہوریت کا نتیجہ ہیں، اور جس کے یہ لوگ گیت گاتے ہیں۔ یہ ان کی وہ بدنما تہذیب ہے، جس پر یہ فخر کرتے ہیں، اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس بدترین تہذیب میں شریک کریں۔ یہ چیزیں جمہوریت کی غلاظت، اس کے فساد کی انتہاء اور اس کی بدبو کو ظاہر کرتی ہیں۔

باوجود یہ کہ یہ بات واضح ہے کہ مغربی جمہوری معاشرے پستی میں حیوانات کے درجے سے بھی بدتر ہیں، شخصی آزادی کی وجہ سے ان کا معاشرہ حیوانات کے اجتماعی ریوڑ سے بھی گرا ہوا ہے۔ باوجود یہ کہ مغربی جمہوری استعمار

نے دنیا کو مصائب سے دوچار کیا، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے، پسماندہ اور مقبوضہ قوموں کو ذلیل و خوار کیا، ان کی دولت کو ہڑپ کیا، ان کی پیداوار کو ہتھیالیا، ان کے باشندوں کو کنگال کیا اور ان کے شہروں کو اپنی مصنوعات اور پیداوار کی فروخت کے لیے منڈیاں بنایا۔ باوجود یہ کہ جمہوریت اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے نافذ ہونے کے قابل ہی نہیں اور اس کے معنی میں تاویل کے بعد بھی وہ نہ تو حقیقتاً موجود ہوتی ہے اور نہ نافذ ہوتی ہے۔ باوجود یہ کہ جمہوریت پسندوں کا یہ قول جھوٹ ثابت ہو چکا ہے کہ "مجلسِ نمائندگان (پارلیمنٹ) عام لوگوں کے ارادوں کی نمائندگی کرتی ہے" اور یہ قول بھی کہ "پارلیمنٹ ایک سیاسی ڈھانچہ ہے جو تمام عوام کے عام ارادوں کی نمائندگی کرتی ہے اور عوام کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہاں اراکین کی اکثریت کے ووٹوں کے ذریعے جو قانون سازی ہوتی ہے اس میں عوام کی اکثریت کی رائے کا اظہار ہوتا ہے"۔ بقول ان کے، حکام عوام کی اکثریت کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں اور وہ اپنی قوت بھی عوام سے حاصل کرتے ہیں، حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے۔ باوجود یہ کہ جمہوریت کی نمایاں ترین خرابیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی ملک میں پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنے والی بڑی جماعتیں نہیں ہوتیں، تو حکومت اور حکمرانوں سے متعلق بڑے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سب کے باوجود کافر استعماری مغرب مسلمانوں کے ممالک میں جمہوری افکار کو پھیلانے اور رائج کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

○ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر مغرب جمہوریت کے ان کفریہ افکار کو، جن کا اسلامی افکار سے کوئی تعلق نہیں، مسلمانوں کے ممالک میں دھکیلنے میں کیونکر کامیاب ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے:

کافر یورپ، اسلام اور مسلمانوں کا سخت ترین دشمن ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں خون کے گھونٹ پیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾

"بغض ان کے منہ سے ابل رہا ہے اور جو وہ سینے میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے" (آل عمران: 118)

جب اسے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت کا راز اسلام ہے، کیونکہ اسلام کا عقیدہ ہی اس عظیم قوت کا منبع ہے، تو عالمِ اسلام کے خلاف مغرب نے ایک زبردست مشنری اور ثقافتی جنگ لڑنے کا خطرناک منصوبہ بنایا، جس کے ذریعے انہوں نے اپنی ثقافت اور اپنے افکار کو مسلمانوں کے اندر داخل کیا۔ جمہوریت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کے ذریعے مغرب نے اپنی ثقافت اور زندگی کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی، اور کہا کہ وہ جمہوریت کو اپنی فکر کی بنیاد اور زندگی کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بنائیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کو اسلام سے متنفر اور اسلام سے دور اور اس کے احکام کے نفاذ سے روکنا چاہتے تھے، تاکہ اسلامی ریاست یعنی خلافت کو ختم کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے اور نتیجتاً وہ اسلام کو زندگی، ریاست اور معاشرے میں لاگو ہونے سے روک سکیں۔ اور یوں مسلمان ان کے کفریہ افکار، نظام اور قوانین کو اختیار کر لیں، اسلام کے بجائے ان کو نافذ کریں اور اسلام سے دور ہو جائیں۔ اسی طرح کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

"اور یہود و نصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کی ملت (دین) کی پیروی ہر گز نہ کیجئے گا۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی) ہدایت ہے اور اگر آپ ﷺ نے ان کی پیروی کی، اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو پھر اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی مددگار اور دوست نہیں ہوگا" (البقرۃ:120)

یہ مشنری اور ثقافتی جنگ اس وقت شدت اختیار کر گئی جب انیسویں صدی کے آخری نصف میں خلافت عثمانیہ اپنے آخری ایام میں تھی۔ مسلمان فکری، علمی اور سیاسی انحطاط کا شکار ہو چکے تھے۔ یورپ میں فکری اور صنعتی انقلاب، علمی انکشافات اور ایجادات کے ذریعے ہونے والی تیز رفتار ترقی کے نتیجے میں طاقت کا توازن یورپی ریاستوں کے حق میں ہو چکا تھا۔ جبکہ عثمانی ریاست جامد ہو کر رہ گئی، اور روز بروز کمزور ہونے لگی اور اس کی وجہ سے مغربی ثقافت، مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی نظاموں کو مسلمانوں کے علاقوں میں داخلے کا موقع مل گیا۔

مغربی ممالک نے اس مشنری اور ثقافتی جنگ میں ایسا خطرناک اسلوب اختیار کیا کہ جس سے اسلام بے وقعت ہو گیا، اس کے احکامات کے بارے میں مسلمانوں میں تشویش اور شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور مسلمانوں کو یہ تاثر دیا گیا کہ اسلام ہی ان کی پسماندگی اور انحطاط کا سبب ہے، جبکہ مغرب کی ترقی کا راز اس کی تہذیب، اس کے افکار اور اس کا جمہوری نظام ہے۔ان قوانین اور نظاموں کی وجہ سے ہی وہ ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ رہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ تاثر بھی دیا گیا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے متصادم نہیں، بلکہ دراصل یہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہے۔اس کے نظام اور قوانین اسلامی احکامات کے خلاف نہیں ہیں۔انہوں نے ان جمہوری افکار اور جمہوری نظام پر اسلام کا رنگ چڑھا دیا اور کہا کہ یہ اسلام کے مخالف یا اسلام سے متصادم نہیں، بلکہ یہ تو اسلام ہی میں سے ہیں۔ کیونکہ یہ بعینہٖ شوریٰ ہے اور یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حکام کا محاسبہ ہے۔ چنانچہ اس بات نے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا، یہاں تک کہ مغربی افکار اور مغربی تہذیب مسلمانوں کے اندر سرایت کر گئی۔

خلافتِ عثمانیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں نے ان کے بعض قوانین اور نظاموں کو اپنا لیا، اور خلافت عثمانیہ کے انہدام کے بعد تو بیشتر قوانین اور نظاموں کو اختیار کر لیا۔

مغربی ثقافت نے تعلیم یافتہ طبقہ، سیاستدانوں، حتی کہ اسلامی ثقافت اور اسلامی دعوت کے علمبرداروں کو بھی متاثر کیا اور عام مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

تعلیم یافتہ طبقے کے بیشتر افراد اس مغربی ثقافت سے متاثر ہوئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مغرب میں یا اسلامی ممالک میں تعلیم حاصل کی تھی۔ چونکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اسلامی ممالک میں بھی تعلیم کی بنیاد مغربی فلسفے، اور زندگی کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر پر رکھی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقے کے اکثر افراد مغربی تہذیب کے دلدادہ اور اس کے عاشق ہو گئے اور مغرب کی اس وجہ سے تعظیم کرنے لگے کہ اس نے یہ تہذیب پیش کی ہے۔ وہ اسلامی تہذیب اور اُن اسلامی احکامات کو ناپسند کرنے لگے، جو مغربی تہذیب اور مغربی قوانین و نظام سے متصادم تھے۔ وہ اسلام سے کافروں جیسا بغض رکھنے لگے، اور اسلام، اسلامی ثقافت اور اسلامی احکامات سے عداوت کا

برملا اظہار کرنے لگے۔ وہ مغرب، اس کی تہذیب، اس کے افکار اور نظاموں کے داعی اور اس کے آلہ کار بن گئے، اور اس طرح اسلام، اسلامی تہذیب اور اسلامی احکامات و قوانین پر حملہ اور اسلام کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

جہاں تک سیاست دانوں کا تعلق ہے تو وہ مغرب اور مغربی نظام کے وفادار بن گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مغرب سے وابستہ کر دیا، اور مغرب ہی کو اپنا قبلہ بنالیا، اور اسی سے مدد مانگنے لگے، اسی پر بھروسہ کرنے لگے اور مغربی قوانین اور مغربی نظام کے محافظ بن گئے۔ وہ مغربی مفادات کی حفاظت اور ان کی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کے فرمانبردار خادم بن گئے۔ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی پر اتر آئے اور اسلام کے خلاف سیاسی جنگ چھیڑ دی۔ وہ اسلامی دعوت کے حاملین کو ستانے اور خلافت کے قیام کے راستے میں روڑے اٹکانے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ اللہ انہیں ہلاک کرے! یہ کہاں بھٹکے جارہے ہیں؟

جہاں تک اسلامی ثقافت کے علمبرداروں کا تعلق ہے، تو انہوں نے اسلام اور احکامِ شرعی کی حقیقت کو نہیں سمجھا، اور نہ ہی وہ مغربی تہذیب، اس کے افکار اور اس کے نظاموں کا اسلامی عقیدہ، اسلام کے احکامات، اسلام کی تہذیب اور نقطۂ نظر کے ساتھ تصادم کا اندازہ کرسکے۔ اس کا سبب اسلام اور اس کے احکامِ شریعت اور معاشرے میں اس کے نفاذ کی اہمیت اور ضرورت کو نہ سمجھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ایسی تشریح کی گئی، جس کی نصوص بالکل اجازت نہیں دیتیں۔

چنانچہ حالات کو تبدیل کرکے اسلامی احکامات کے مطابق کرنے کے بجائے اسلامی احکامات میں تاویل کرکے ان کو حالات کے تابع کیا جانے لگا۔ اور اس کے لیے اِس من گھڑت قاعدے کا سہارا لیا گیا کہ: لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان "زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے احکامات کی تبدیلی سے انکار نہیں کیا جاسکتا"۔ اور ایسے حکم بیان کیے گئے جن کی شریعت میں کوئی سند ہی نہیں، یا جس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ ہر کوئی اسلام کی اس طرح تاویل کرنے لگا کہ وہ ہر مذہب، ہر فکر اور ہر آئیڈیالوجی کے مطابق ہو جائے، خواہ وہ مذہب، فکر یا آئیڈیالوجی اسلامی احکامات

اور نقطۂ نظر کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ یہ زبان زدِ عام ہو گیا کہ مغربی تہذیب اور اس کے افکار، اسلامی تہذیب اور اس کے احکامات سے متصادم نہیں ہیں کیونکہ دراصل یہ اسلامی تہذیب ہی سے ماخوذ ہیں۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ جمہوری حکومتی نظام اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام اسلامی احکامات کے خلاف نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اپنی حقیقت کے لحاظ سے کفر ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور اسلام میں عام آزادیاں بھی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اسلام کے بالکل منافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان شش و پنج میں مبتلا ہو گئے کہ کس چیز کو اختیار کرنا جائز ہے اور کس کو نہیں۔ مثلاً علم طب، انجنیئرنگ، کیمسٹری، زراعت اور صنعت کے علوم، مواصلات، ذرائع نقل و حمل وغیرہ، یہ سب مباحات ہیں، جب تک یہ اسلام کے حکم کے مخالف نہ ہوں، انہیں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جس چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں، وہ عقائد اور احکامِ شرعیہ سے متعلقہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ اس معاملے میں جو چیز رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں، یعنی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اور جس چیز کی طرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ اشارہ کرتی ہیں یعنی اجماعِ صحابہؓ اور قیاس، ان کے علاوہ کسی اور چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

یوں مغربی کافر کو اپنی تہذیب، اپنا نقطۂ نظر، اپنے جمہوری نظام کے افکار، اقتصادی نظام کے افکار اور عام آزادی کے افکار مسلمانوں کے علاقوں میں دھکیل دینے کا موقعہ مل گیا۔

○ اس سے قبل کہ ہم اسلام کے ساتھ جمہوریت کے تناقض کو بیان کریں، ہم چاہیں گے کہ ہم اس موضوع پر بات کریں کہ شرعی نصوص (یعنی قرآن و سنت) اور احکامِ شرعیہ کے مطابق دیگر اقوام کی کس کس چیز کو اپنانا مسلمانوں کے لیے جائز ہے، اور کونسی چیز اپنانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے؟ اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں:

1) انسان کے تمام افعال اور انسانی افعال سے متعلقہ تمام اشیاء میں بنیادی چیز رسول اللہ ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ احکامات پر عمل درآمد ہے۔ کیونکہ احکام کے متعلق عمومی آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہر عمل میں شرع کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔اور جس چیز سے منع کردیں،اس سے رک جاؤ"(الحشر:7)

اور فرمایا:

﴿فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے تمام تر اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں"(النساء:65)

اور فرمایا:

﴿وَمَااخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ﴾

"اور کسی بھی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹادو"(الشوریٰ:10)

مزید فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

"اگر تم کسی معاملے میں تنازعہ کرو تو اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹادو"(النساء:59)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جسے بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ عمل مسترد ہے"

(مَن اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)

"جس شخص نے ہمارے اس معاملے (دین کے معاملے میں) کوئی نئی بات پیدا کی، جو اس میں سے نہ ہو، تو وہ مردود ہے"

یہ تمام آیات اور احادیث اس بات کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتی ہیں کہ ہر فعل اور ہر کام میں بنیادی چیز شریعت کا اتباع ہے۔ کسی مسلمان کے لیے اللہ کا حکم معلوم کیے بغیر کسی فعل کو کرنا یا اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ یعنی وہ

یہ معلوم کرے کہ یہ عمل فرض ہے یا سنت، پھر اس کو کرے۔ اسی طرح یہ معلوم کرے کہ یہ عمل حرام ہے یا مکروہ، پھر نتیجتاً اسے ترک کرے۔ یا آیا یہ عمل مباح ہے، جس میں اسے اختیار ہے، خواہ وہ اس عمل کو سرانجام دے یا پھر چھوڑ دے۔

چنانچہ افعال میں بنیادی چیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور وہ اشیاء، جو افعال سے متعلقہ ہیں، ان میں بنیادی چیز مباح ہونا ہے، جب تک کہ حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت نے تمام اشیاء میں مباح ہونے کو اصل قرار دیا۔ اور تمام نصوص عمومی ہیں، جو تمام اشیاء کا احاطہ کرتی ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْارضِ﴾

"کیا تم نے نہیں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا"(لقمان:20)

اور مسخر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اسے تمہارے لیے مباح کر دیا۔ مزید ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْارْضِ جَمِيْعًا﴾

"اور اللہ ہی وہ ذات ہے، جس نے زمین کی ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا"(البقرۃ:29)

اور فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَاالنَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا﴾

"اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، ان میں سے کھاؤ"(البقرۃ:168)

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَالَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْارْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْامِنْ رِّزْقِهٖ﴾

''اور اللہ ہی وہ ذات ہے، جس نے زمین کو تمہارے تابع کر دیا۔ پس اس پر چلو پھرو اور اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ''(الملک:15)

اشیاء کی اباحت کے بارے میں یہ تمام آیات عام ہیں۔ ان آیات کا عام ہونا تمام اشیاء کی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اشیاء کا مباح ہونا شارع کے عام خطاب کی وجہ سے ہے۔ اس لیے کسی چیز کی حرمت کے لیے ایسی نص کی ضرورت ہے، جو اس عام میں تخصیص پیدا کرے۔ اور اس عام اباحت سے بعض اشیاء کے مستثنیٰ ہونے کی طرف اشارہ کرے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ﴾

''حرام کیا گیا ہے تم پر، مردار، خون اور خنزیر کا گوشت، اور وہ جانور، جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور وہ جانور، جو گلا گھونٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے کھایا ہو، سوائے اسکے، جسے تم نے (زندہ پا کر) ذبح کر لیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو''(المائدۃ:3)

اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

2) اسلامی شریعت میں ماضی کے تمام واقعات، موجودہ دور کے تمام مسائل اور آئندہ کی تمام مشکلات کے بارے میں احکامات موجود ہیں۔ پس ماضی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں، دورِ حاضر کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں، اور مستقبل میں کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہو گا، جس کا شریعت میں حکم موجود نہ ہو۔ چنانچہ شریعتِ اسلامی نے انسان کے تمام افعال کا مکمل احاطہ کیا ہوا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ تِبْيَٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾

''اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی، جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت او ربشارت ہے''(النحل:89)

اور فرمایا:

﴿مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾

''ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی''(الانعام:38)

مزید فرمایا:

﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا﴾

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا''(المائدۃ:3)

پس اسلامی شریعت نے بندے کے کسی فعل کو نا معلوم قرار نہیں دیا۔ چنانچہ شریعت میں ہر فعل کے لیے یا تو قرآن وحدیث سے نص موجود ہے، یا قرآن وحدیث میں ایسا اشارہ موجود ہے، جو اس فعل کے مقصد اور علت کو بیان کرتا ہے تاکہ اس حکم کا اطلاق ہر اُس فعل پر کیا جا سکے، جس میں یہ علت موجود ہو۔ شرعاً یہ ممکن نہیں کہ انسان کے کسی فعل کے لیے کوئی دلیل موجود نہ ہو، یا کم از کم ایسا اشارہ موجود نہ ہو، جو اس فعل کے حکم پر دلالت کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے والی''۔ علاوہ ازیں یہ نص بھی واضح اور صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کر دیا۔

3) مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے لیے دوسری امتوں اور دوسری قوموں کے پاس موجود کونسی چیز کو اختیار کرنا جائز ہے اور کس چیز کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

پس سائنس، صنعت اور ایجادات وغیرہ سے متعلقہ افکار اور سائنسی ترقی کے نتیجے میں جنم لینے والی تمدنی اشیاء اور صنعت کو اپنانا اُس وقت تک جائز ہے، جب تک کہ یہ کسی اسلامی حکم کے مخالف نہ ہوں۔ جب کسی شرعی حکم کی

مخالفت لازم آئے، تب اِنہیں اختیار کرنا حرام ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس، صنعت اور ایجادات سے متعلقہ افکار اور ان تمام تمدنی شکلوں کا تعلق عقیدہ کے ساتھ نہیں، اور نہ ان کا تعلق شرعی احکامات کے ساتھ ہے، جو انسانی زندگی کی ہر مشکل کو حل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق اُن مباح اشیاء سے ہے، جن سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اس کی دلیل وہ تمام عام آیات ہیں جو نفع اٹھانے کے لیے کائنات میں موجود تمام اشیاء کے انسان کے لیے مباح ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ مسلم نے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(اِنَّمَااَنَابَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیءٍ مِّنْ اَمْرِدِیْنِکُمْ فَخُذُوْہُ بِہٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اُمُوْرِدُنْیَاکُمْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ)

"یقیناً میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، اور میں تمہارے دین کے بارے میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اسے پکڑ لو (اس پر عمل کرو) اور اگر میں تمہارے دنیاوی معاملات کے بارے میں کوئی رائے دوں تو (جان لو!) کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں"

مراد یہ ہے کہ اس حکم کو اختیار کرنا لازمی نہیں، جیسا کہ کھجوروں کے درختوں کو نر کھجور کا پیوند دینے کی حدیث میں ہے:

(اَنْتُمْ اَدْرٰی بِشُؤُنِ دُنْیَاکُمْ)

"تم اپنے دنیاوی معاملات کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتے ہو"

اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ اپنے لیے چیزیں تیار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، حتیٰ کہ کچھ لوگ ہتھیار سازی کیا کرتے تھے جیسا کہ خبابؓ جو زمانہ جاہلیت میں تلواریں بناتے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کام کو جاری رکھا، ان کا واقعہ سیرت ابنِ ہشام میں منقول ہے کہ جب العاص بن وائل سہمی نے خباب سے تلوار خریدی، اور خبابؓ العاص کے پاس قیمت لینے کے لیے آئے تو اس نے مذاق اڑاتے

ہوئے کہا کہ میں اس کے پیسے جنت میں دے دوں گا۔ مختصر یہ کہ جس چیز کا تعلق عقائد اور احکامات سے نہ ہو، تو اُس وقت تک اسے اپنانا جائز ہے، جب تک کہ وہ شرعی حکم کے خلاف نہ ہو، اور اس کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

اس اصول کی بنیاد پر تمام سائنسی علوم کو مثلاً طب، انجنیئرنگ، ریاضی، فلکیات، کیمسٹری، فزکس، زراعت، صنعت، مواصلات، بحری علوم، جغرافیہ اور اقتصادیات سے متعلقہ وہ علم، جو پیداوار کی بہتری اور اس کی ترقی کے بارے میں بحث کرے، ان سب کو لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ علم عالمی چیز ہے، اس کا اسلام اور سرمایہ داری یا کمیونزم سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا انہیں اپنانا اُس وقت تک جائز ہے، جب تک یہ کسی اسلامی حکم کے خلاف نہ ہوں۔ پس اِس اصول کی بنیاد پر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو اختیار کرنا جائز نہیں، جس میں وہ کہتا ہے کہ "انسان اصل میں بندر ہے" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ الْاِ نْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے گارے سے بنایا" (الرحمن:14)

اور فرمایا:

﴿ وَبَدَأَ خَلْقَ ٱلْإِنسَـٰنِ مِن طِينٍۢ ۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُۥ مِن سُلَـٰلَةٍۢ مِّن مَّآءٍۢ مَّهِينٍۢ ﴾

"اور انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کو حقیر پانی سے پیدا کیا" (السجدۃ:7-8)

مزید فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا" (الروم:20)

جس طرح ان علوم کو اختیار کرنا جائز ہے، اسی طرح ان سے پیدا ہونے والی مصنوعات، سامانِ آلات اور تمدنی اشیاء کو لینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ سوائے مجسمہ سازی، شراب اور صلیب سازی کے کارخانوں کے، ہر قسم کے کارخانوں اور ان کی صنعت کو لینا (بنانا اور خریدنا) جائز ہے۔ خواہ یہ صنعتیں فوجی ہوں یا غیر فوجی اور خواہ یہ مصنوعات بھاری ہوں جیسے ٹینک، طیارے، راکٹ، مصنوعی سیارے، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، الیکٹرونک بم، کیمیائی ہتھیار، ٹرک، ریل گاڑیاں، بحری جہاز، یا یہ مصنوعات ہلکی نوعیت کی ہوں، مثلاً روزمرہ استعمال کی اشیاء، ہلکے ہتھیار، لیبارٹریوں کے آلات، طبّی آلات، زرعی آلات، فرنیچر، قالین، دوسری عام استعمال کی اشیاء وغیرہ۔ ان تمام چیزوں کو لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اُن اشیاء میں سے ہیں، جن کی اباحت کے متعلق عام دلیل موجود ہے۔ چنانچہ ان کا لینا بھی شرعی حکم کو اختیار کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی اتباع کرنا ہے۔ کیونکہ مباح بھی دوسرے احکامِ شرعی یعنی فرض، مندوب، حرام اور مکروہ کی طرح ایک حکم ہے۔

4) وہ افکار، جن کا تعلق عقیدہ اور احکامِ شرعیہ کے ساتھ ہے، یا وہ افکار، جن کا تعلق تہذیب اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کے ساتھ ہے، اور وہ احکام، جن کا تعلق انسانی زندگی کی تمام مشکلات کے حل کے ساتھ ہے، تو یہ شریعت کے مطابق ہی اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ انہیں صرف اسلامی شریعت ہی سے اخذ کیا جائے گا، یعنی وحی، جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی صورت میں ہے، یا اجماعِ صحابہؓ اور قیاس سے کہ جس کی طرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ان کو کسی بھی حالت میں اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ممانعت کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(الف) اللہ تعالٰی نے ہمیں اس امر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اور ہر اس کام سے رک جانے کا حکم دیا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کردیں، اس سے رک جاؤ" (الحشر: 7)

اس آیت میں "ما" عموم کے لیے ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو اختیار کریں اور ہر اُس چیز سے باز رہیں، جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور آیت کا یہ بھی مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکامات کے علاوہ کسی اور چیز کو نہ اپنایا جائے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو"(النساء:59)

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ شریعت کے ان احکامات پر عمل کیا جائے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلے کا التزام کرنے اور تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

"اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں"(الاحزاب:36)

مزید فرمایا:

﴿فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ﴾

”اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، تو اپنے متنازعہ امور کے فیصلے کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو“(النساء:59)

(د) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور کسی بھی بات میں اس (شریعت) سے نہ ہٹیں، ارشادِ تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ﴾

”اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ کتاب نازل کی جو حق ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اور ان کتابوں پر غلبہ پانے والی (ان کو منسوخ کرنے والی) ہے۔ پس آپ ﷺ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ ﷺ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں“(المائدہ:48)

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن﴾

”اور یہ کہ (آپ ﷺ) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے گا۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ بعض (احکامات) کے بارے میں آپ ﷺ کو فتنے میں نہ ڈال دیں“(المائدہ:49)

(ھ) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شریعتِ اسلامی کے علاوہ کسی اور چیز سے کچھ اپنانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

”(اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں“ (النساء: 65)

اور ارشادِ باری ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

”جو آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں“ (النور: 63)

مزید فرمایا:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾

”اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ اس (غیر اللہ) کا انکار کر دیں“ (النساء: 60)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُ نَا فَهُوَرَدٌّ)

”ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہیں، وہ مسترد ہے“

پس یہ تمام نصوص واضح طور پر اشارہ کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے ہر حکم کی پابندی کریں۔ ہم صرف اسی چیز کو حلال سمجھیں، جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا، اور صرف اسی کو حرام سمجھیں، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ جس چیز کو رسول ﷺ لے کر نہیں آئے، ہم اسے نہیں اپنائیں گے، اور جس کو حرام نہیں کیا، اسے حرام نہیں سمجھیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات: ﴿وَمَآاٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ﴾ میں "ما" اور ﴿وَمَانَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ کے "ما" کو ﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ سے ملاتے ہیں، تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ صرف وہ احکام اپنانا فرض ہے، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے، ورنہ سخت عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ایمان کی بھی نفی کی ہے، جو اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے احکام کے علاوہ کسی اور چیز سے فیصلہ کرے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ﴾

"(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں" (النساء: 65)

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فیصلہ صرف رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعض احکامات کے بارے میں لوگوں کے فتنے سے محتاط رہنے کے بارے میں ہدایت کی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَّعْضِ مَآاَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ﴾

"اور ان سے محتاط رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ ﷺ کو فتنے میں نہ ڈال دیں" (المائدۃ: 49)

اس سے بڑھ کر قرآن نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جو کفریہ احکامات کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّـٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَـٰلًۢا بَعِيدًا﴾

"کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کردیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے" (النساء: 60)

معلوم ہوا کہ شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے فیصلہ کرنا گمراہی ہے۔ یہ طاغوت یعنی کفر کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب اور اس سے پھوٹنے والے نظام اور قوانین کو اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہیں۔ البتہ انتظامی قوانین اور نظام کو اختیار کیا جا سکتا ہے، جو مباحات میں سے ہیں، جیسا کہ عمرؓ بن خطاب نے فارس اور روم سے دفتری نظام لیا تھا۔

مغربی تہذیب کی بنیاد دین کی دنیاوی امور اور ریاست سے جدائی پر ہے۔ جبکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد اسلامی عقیدہ پر ہے، اور یہ زندگی اور ریاست کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق چلانے کو فرض قرار دیتی ہے۔

مغربی تہذیب مادی فائدے کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ مادی فائدے کو ہی تمام اعمال کا پیمانہ قرار دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مکمل طور پر ایک منفعت پرستانہ تہذیب ہے۔ اس کے نزدیک مادی نفع کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے اس کے ہاں روحانی، اخلاقی اور انسانی قیمتیں (اقدار) ناپید ہیں۔ جبکہ اسلامی تہذیب روحانی بنیاد، یعنی اللہ پر ایمان لانے پر قائم ہے اور اس تہذیب میں تمام اعمال کو جانچنے کا پیمانہ حلال و حرام ہے۔ یہ تمام اعمال اور اقدار کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق چلانے کا حکم دیتی ہے۔

مغربی تہذیب کے نزدیک خوشی یہ ہے کہ انسان کو جسمانی لذتوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ میسر ہو اور اس کے اسباب مہیا کیے جائیں۔ جبکہ اسلامی تہذیب کے نزدیک سعادت اللہ تعالیٰ کی رضامندی، اور انسان کی ضروریات اور جسمانی حاجات کو احکامِ شرعیہ کے مطابق پورا کرنا ہے۔

اسی وجہ سے جمہوری نظامِ حکومت، سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام، اور مغرب میں موجود عام آزادیوں کا نظام اختیار کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح جمہوری دستور اور قوانین، جمہوری نظام، بادشاہی حکومتی نظام، سودی بنکوں کا نظام، زرِ مبادلہ اور کرنسی کی عالمی مارکیٹیں وغیرہ، ان سب کو اپنانا بھی جائز نہیں۔ یہ سب کفریہ نظام اور قوانین ہیں۔ یہ اسلام کے ساتھ مکمل طور پر متناقض ہیں۔

جس طرح مغربی تہذیب اور اس سے نکلنے والے افکار اور نظاموں کو اپنانا جائز نہیں، بالکل اسی طرح کیمونسٹ (communist) تہذیب کو اپنانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسلامی تہذیب سے مکمل طور پر متصادم ہے۔

کیمونسٹ تہذیب کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں، اور مادہ ہی ہمیشہ سے ہے اور کائنات کی تمام اشیاء مادی ترقی کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔

جبکہ اسلامی تہذیب اس عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور تمام اشیاء کو اس نے تخلیق کیا ہے۔ اس نے انبیاء اور رسولوں کو اپنے دین کے ساتھ انسانیت کی طرف بھیجا اور انسانیت پر اپنے اوامر و نواہی کی اتباع کو واجب قرار دیا۔

کیمونسٹ تہذیب کی رائے یہ ہے کہ نظام ذرائع پیداوار سے لیا جاتا ہے۔ لہٰذا جاگیر دارانہ معاشرے میں کلہاڑا پیداوار کا ذریعہ ہے اور اسی سے جاگیر دارانہ نظام اخذ ہوا۔ پھر معاشرہ سرمایہ داری کی طرف ترقی کر گیا تو مشین ذریعۂ پیداوار بن گئی، اور اس سے سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا۔ پس اس کا نظام مادی ترقی سے ماخوذ ہے۔

جبکہ اسلامی تہذیب کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نظام بنایا، اور یہ نظام سیدنا محمد ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ نظام پہنچایا، اور انسان پر فرض کیا کہ وہ اس نظام پر عمل پیرا ہو۔

اشتراکی تہذیب کی رائے ہے کہ مادی نظام ہی زندگی میں اعمال کے لیے پیمانہ ہے اور اس نظام کی ترقی سے یہ پیمانہ بھی ترقی کرتا ہے۔

جبکہ اسلامی تہذیب کی رائے یہ ہے کہ حلال و حرام یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی زندگی میں اعمال کے لیے پیمانہ ہیں۔ پس ہر حلال کام کو کیا جائے گا اور ہر حرام سے اجتناب کیا جائے گا۔ یہ نہ ترقی کرتا ہے اور نہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ اس میں نفع و مادیت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں صرف شریعت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیمونسٹ تہذیب اور اسلامی تہذیب مکمل طور پر متضاد ہیں۔ اس لیے اس تہذیب، اس کے افکار یا نظام کو اختیار کرنا بھی جائز نہیں۔

چنانچہ مادی ترقی کا نظریہ، انفرادی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ، کارخانوں اور ذرائع پیداوار کی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ، زمین کی انفرادی ملکیت ختم کرنے کا نظریہ، ان سب کو اختیار کرنا حرام ہے۔ اسی طرح افراد کو خدا بنانے اور اشخاص کی عبادت کا نظریہ بھی حرام ہے۔ اس کے علاوہ اس ملحدانہ تہذیب کے نظاموں اور کافرانہ افکار کو اپنانا بھی کفر ہے، اور یہ مکمل طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔

اب ہم پھر جمہوریت کی طرف آتے ہیں، تاکہ اسلام کے ساتھ اس کے مکمل تضاد کو بیان کریں۔ جمہوریت اسلام کے ساتھ اپنے مصدر، اپنے عقیدے، اپنی اساس، اپنے افکار اور نظاموں الغرض ہر لحاظ سے متصادم ہے۔

- جمہوریت کا منبع انسان ہے۔ اس میں صرف عقل ہی کسی عمل کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے بانی یورپ کے وہ فلاسفر اور مفکرین ہیں، جو یورپ میں بادشاہوں اور عوام کے درمیان خوفناک فکری جنگ کے بعد اُبھر کر سامنے آئے۔ چنانچہ جمہوریت انسان کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اور اس میں حکمران انسانی عقل ہے۔

اور اسلام اس کے بالکل برخلاف اللہ تعالیٰ کی وحی پر مبنی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی طرف نازل فرمائی:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾

"(محمد ﷺ) اپنی خواہشات سے نہیں بولتے، یہ تو صرف وحی ہے، جو ان کی طرف آتی ہے" (النجم: 3-4)

اور

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾

"بے شک ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا" (القدر: 1)

حکم صادر کرنے کے لیے اسلام میں جس چیز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی اس کی شریعت ہے، نہ کہ عقل۔ کیونکہ عقل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

"حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے" (یوسف: 67)

اور فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

"اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان تنازع کھڑا ہو، تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹادو" (النساء: 59)

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾

"اگر تم کسی بات میں اختلاف کرو، تو اس کا فیصلہ اللہ پر ہے" (الشوریٰ: 10)

• جس عقیدے سے جمہوریت نکلی ہے، وہ دین کا دنیاوی امور اور ریاست سے علیحدگی کا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ اس سمجھوتے پر مبنی ہے جو عیسائیوں میں سے دینی لوگوں (رجالِ دین)۔ جنہیں بادشاہوں اور قیصروں نے زیردست بنایا ہوا تھا، اور عوام کا استحصال کرنے، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے اور ان کا خون چوسنے کے لیے ذریعہ بنایا ہوا تھا، اور جو چاہتے تھے کہ ہر چیز دین کے نام پر ان کے قبضے میں ہو۔ - اور اُن فلاسفر اور مفکرین کے درمیان ہوا تھا، جو دین اور رجالِ دین

کے اقتدار کے منکر تھے۔ اگرچہ اس عقیدے نے دین کے وجود کا انکار تو نہیں کیا، لیکن زندگی اور ریاست میں اس کے کردار کو معطل کر کے رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں انسان نے اپنے لیے خود نظام وضع کیا۔

یہ عقیدہ ہی وہ فکری قاعدہ ہے، جس پر مغرب نے اپنے افکار کی بنیاد رکھی، اور اسی سے ان کا نظام نکلا۔ اسی کی بنیاد پر انھوں نے اپنے فکری رخ اور زندگی کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کا تعیّن کیا اور اسی سے جمہوری نظام وجود میں آیا۔ اسلامی نظام اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ وہ اُس اسلامی عقیدے پر مبنی ہے، جو زندگی اور ریاست کے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے مطابق چلانے کو فرض قرار دیتا ہے۔ یعنی ان احکامِ شرعیہ کے مطابق، جو اس عقیدے پر مبنی ہیں۔ انسان اپنا نظام خود نہیں بنا سکتا۔ اس پر صرف یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام پر چلے۔ اسی عقیدے کی بنیاد پر اسلامی تہذیب قائم ہے، اور زندگی کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر بھی اسی بنیاد پر ہے۔

• جمہوریت جس اساس پر قائم ہے، وہ بنیادی طور پر دو افکار ہیں:

(1) حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے۔

(2) قوت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

جمہوریت کی رُو سے عوام خود اپنے ارادوں کے مالک ہیں، بادشاہ اور قیصر نہیں اور عوام اپنے ارادے خود نافذ کریں گے۔ بالادست اور اپنے ارادے کا مالک ہونے کی وجہ سے ان کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ وہ ایسے قوانین بنائیں گے، جو تمام عوام کی خواہشات کی عکاسی کرتے ہوں۔ وہ قانون سازی کے لیے اپنے نمائندے منتخب کریں گے، جو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے قوانین بنائیں گے۔

عوام جو دستور، جو نظام اور جو قانون بھی بنانا چاہیں، بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح جس دستور، نظام اور قانون کو اپنی مصلحت کے تحت ختم کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ عوام شاہی حکومتی نظام کو جمہوریت میں، اور جمہوریت کو بادشاہی نظام میں بدل سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ جمہوریت میں صدارتی نظام کو پارلیمانی نظام سے اور پارلیمانی کو صدارتی نظام میں

تبدیل کر سکتے ہیں، جیسا کہ فرانس، اٹلی، اسپین اور یونان میں ہوا۔ یعنی شہنشاہیت کو جمہوریت میں اور جمہوریت کو شہنشاہیت میں تبدیل کیا گیا۔

اسی طرح وہ اقتصادی نظام کو سرمایہ داری سے اشتراکیت میں، یا اشتراکیت کو سرمایہ داری میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ قانون بھی بنوایا کہ دین کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا چھوڑا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قانون کی رو سے زنا اور لواطت بھی جائز ہیں، حتی کہ ان کاموں کو بطورِ پیشہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ جمہوریت میں عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں، اس لیے وہ اپنے من پسند حاکم کا انتخاب کر سکتے ہیں، تاکہ وہ ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین کو ان پر نافذ کرے۔ وہ حکمران کو معزول بھی کر سکتے ہیں اور حکمران کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ وہی طاقت کا سرچشمہ ہیں، اور حکمران ان کے سہارے حکومت کرتا ہے۔

جبکہ اسلام میں بالادستی شریعت کو حاصل ہے، نہ کہ امت کو۔ صرف اللہ تعالیٰ قانون ساز ہے۔ پوری امت مل کر بھی ایک حکم بنانے کا اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ اگر تمام مسلمان جمع ہو جائیں اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے سود کے مباح ہونے پر اجماع کریں، یا خاص خاص مقامات پر زنا کے جائز ہونے پر اجماع کریں، تاکہ زنا عام نہ ہو پائے، یا انفرادی ملکیت کے خاتمے پر اجماع کریں، یا روزے کی فرضیت کو ختم کرنے پر اجماع کر لیں، یا عام آزادیوں کے لیے اجماع کریں، تاکہ مسلمانوں کو عقیدے کی آزادی ہو اور جو بھی عقیدہ وہ چاہئیں اسے اختیار کریں، یا یہ کہ مال کو بڑھانے کے لیے کسی بھی طریقہ کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ طریقہ فی نفسہٖ حرام ہو، یا وہ شخصی آزادی کو مباح قرار دیں، تاکہ زندگی سے لطف اٹھائیں، خواہ یہ شراب پی کر ہو، یا زنا کے ذریعے سے ہو، تو اس اجماع کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی۔ اسلام کی نظر میں اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ مسلمانوں میں سے اگر کوئی گروہ اس قسم کا ارادہ ظاہر کرے تو اس سے قتال فرض ہے، یہاں تک کہ وہ اس سے رجوع کرے۔ مسلمانوں کے لیے کوئی ایک عمل بھی خلافِ اسلام کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کوئی ایک حکم بنانا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

"(اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں" (النساء: 65)

اور ارشاد فرمایا گیا کہ حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَاۤاُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾

"کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں، اس پر جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نازل ہوا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت (غیر اللہ) کے پاس لے جائیں۔ حالانکہ انہیں حکم ہو چکا ہے کہ طاغوت کا انکار کر دیں" (النساء: 60)

طاغوت کے پاس اپنے فیصلے لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے فیصلے غیر اللہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کرنا۔ ارشاد ہے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾

"کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور کون ہے؟ یہ بات ایسی قوم کے لیے ہے جو یقین رکھتی ہے" (المائدۃ: 50)

حکمِ جاہلیت سے مراد ہر وہ حکم ہے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر نہیں آئے۔ بلکہ اسے خود انسان نے بنایا ہے۔ اور ارشاد باری ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

"جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں" (النور: 63)

رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے مراد انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کرنااور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ دیناہے۔رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، تووہ عمل مسترد ہے''

اس حدیث میں ''ہمارے حکم'' سے مراد اسلام ہے۔

بے شمار آیات اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بالادستی صرف شریعت کو حاصل ہے اور قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔انسان کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے مطابق سرانجام دے۔اسلام نے اللہ کے اوامر ونواہی کے نفاذ کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو نافذ کرنے کے لیے ایک ایسے اقتدار کی ضرورت ہے، جو انہیں نافذ کرے۔ چنانچہ امت کو اختیار دیا گیا، یعنی حاکم کے انتخاب کا حق، تاکہ وہ حاکم اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی نافذ کرے۔یہ بیعت کی احادیث سے ماخوذ ہے، جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر بیعت کے ذریعے خلیفہ کے تقرر کو مسلمانوں کا حق قرار دیا گیاہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ اِن استَطَاعَ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کردے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑادو''

اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا''

عبادہؓ بن الصامت کہتے ہیں:

(بَايَعْنَا رسول اللهِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَكْرَهِ وَالْمَنْشَطِ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسندیدہ اور ناپسندیدہ (دونوں حالتوں) میں سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی''

اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امت ہی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر بیعت کے ذریعے خلیفہ کا تقرر کرے گی۔

اگرچہ شریعت نے امت کو شریعت کے نفاذ کے لیے اپنا حاکم بذریعہ بیعت منتخب کرنے کا اختیار دیا ہے، لیکن جمہوری نظام کی طرح حاکم کو معزول کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ خلیفہ کی اطاعت فرض ہے، اگرچہ وہ ظلم کرے۔ لیکن اس وقت تک، جب تک کہ وہ گناہ کے کام کا حکم نہ دے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ رَأى مِنْ اَمِيْرِهِ شَيْءًا يَكْرَهُهُ، فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، فَمِيْتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ)

''جو شخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا، اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا''

اور عوفؓ بن مالک سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(...وَشِرَارُ اَءِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ، قَالَ: قَالُوْا يَارسول اللهِ! اَفَلا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَذَالِکَ؟ قَالَ: لَا، مَااَقَامُوْا فِيكُمُ الصَّلاَةَ ، اَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِيْ شَيْءًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، فَلْيَكْرَهْ مَايَأْتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ)

"...اور تمہارے برے امام وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔ تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا اس وقت ہم انہیں حکومت سے باہر نکال نہ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔ سنو! جس پر کوئی والی بنا پھر اس نے دیکھا کہ وہ والی ایسا کام کرتا ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہے، تو اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کو تو ناپسند کرے، لیکن والی کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے"

اقامتِ صلاۃ سے مراد اسلام کے مطابق حکومت کرنا ہے۔ یہاں جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

حکمران کے خلاف خروج اس وقت تک جائز نہیں، جب تک کہ وہ کھلم کھلا کفر کا ارتکاب نہ کرے۔ جیسا کہ عبادہؓ بن الصامت کی روایت میں ہے:

(...فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ فِيمَا اَخَذَ عَلَيْنَا اَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَاَثَرَةً عَلَيْنَا، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْاكُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)

"...ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ آپ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم اپنی خوشی وناراضی، تنگی وفراخی اور ہم پر کسی کو ترجیح دیے جانے پر بھی سنیں اور اطاعت کریں۔ اور یہ کہ ہم اولوالامر سے جھگڑا نہ کریں۔ (آپ ﷺ نے فرمایا:) مگر اس وقت جب کہ تم کفر بواح (کھلم کھلا کفر) دیکھو، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل موجود ہو"

خلیفہ کو صرف محکمۃ المظالم ہی معزول کر سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جن امور کی وجہ سے خلیفہ کو معزول کیا جاتا ہے، ان میں سے کسی بھی امر کا پایا جانا ایک ظلم ہے، اور ظلم کو مٹانا ضروری ہے۔ لیکن اس کا ثبوت ضروری ہے اور قاضی کے سامنے اس کو ثابت کرنا لازمی ہے۔ محکمۃ المظالم ہی اسلامی ریاست میں ظلم کو مٹا سکتا ہے، اور اس کے قاضی کو کسی ظلم کو ثابت کرنے اور اس پر حکم لگانے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ خلیفہ کو ہٹانے یا اسے برقرار رکھنے کا اختیار بھی محکمۃ المظالم کو حاصل ہے۔

• جمہوریت چونکہ اکثریت کی حکومت ہوتی ہے، اور اکثریت ہی قانون سازی کرتی ہے۔ اس لیے حکمرانوں، پارلیمنٹ کے اراکین، اداروں اور تنظیموں کے اراکین کا انتخاب اکثریت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں قانون سازی، معاہدے اور فیصلے بھی اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

لہٰذا جمہوریت میں اکثریت کی رائے حکمرانوں اور عوام سب کے لیے لازمی ہے، کیونکہ اکثریت کی رائے ہی کو عوام کا ارادہ سمجھا جاتا ہے، اور اقلیت کے لیے اکثریت کے سامنے سر جھکانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔

اسلام میں یہ معاملہ بالکل مختلف ہے:

اسلام میں قانون سازی کی بنیاد اکثریت یا اقلیت نہیں، بلکہ صرف شرعی نصوص ہیں، کیونکہ قانون ساز صرف اللہ ہے، نہ کہ امت۔ اور احکام کو اختیار کرنے اور ان کو نافذ کرنے کا اختیار صرف خلیفہ کو حاصل ہے۔ خلیفہ احکامات کو شرعی نصوص یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے، اجتہاد کے ذریعے، قوی ترین دلیل کی بنیاد پر اختیار کرتا ہے۔ خلیفہ کے لیے احکامات میں سے کسی حکم کو نافذ کرنے کے لیے مجلسِ اُمت کی رائے لینا جائز ہے، لیکن ضروری نہیں۔ کیونکہ خلفائے راشدین کسی حکم کو اختیار کرتے وقت صحابہؓ کی طرف ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے رجوع کیا کرتے تھے، جیسا کہ عمرؓ بن خطاب نے شام، مصر اور عراق کی مفتوحہ اراضی کے بارے میں حکم لگانے کے لیے مسلمانوں سے رائے لی۔

اس لیے خلیفہ احکامات کی ''تبنی'' کے لیے مجلسِ اُمت کی طرف رجوع کرے، تو مجلس اُمت کی رائے اس کے لیے لازم نہیں، اگرچہ یہ اجتماعی یا اکثریتی رائے ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں اعتراض کرنے والے مسلمانوں کی رائے کو نہیں اپنایا، حالانکہ وہ اکثریت میں تھے، اور معاہدہ کرڈالا اور ارشاد فرمایا:

(اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلَہٗ وَلَنْ اُخَالِفَ اَمْرَہٗ)

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں ہرگز اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا''

اور صحابہؓ کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امام (خلیفہ) متعیّن احکام اختیار کرسکتا ہے اور ان پر عمل کا حکم دے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں پر اپنی آراء کو چھوڑ کر خلیفہ کے حکم پر چلنا فرض ہے۔ اسی سے یہ مشہور قواعد بنے ہیں:

1) اَمْرُ الْاِمَامِ یَرْفَعُ الْخِلَافِ

''امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے''

2) اَمْرُ الْاِمَامِ نَافِذٌ ظَاہِرًا وَبَاطِنًا

''امام کا حکم ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہوتا ہے''

3) لِلسُّلْطَانِ اَنْ یُّحْدِثَ مِنَ الْاَقْضِیَةِ بِقَدْرِ مَایُحْدِثُ مِنْ مُشْکِلَاتٍ

''سلطان نئے مسائل کے لیے بقدرِ ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے اُولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَطِیْعُوااللّٰہَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾

''اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی بھی'' (النساء:59)

اور یہاں اولی الامر سے مراد حکام ہیں۔

فنی اور فکری امور سے متعلق قوانین میں تجربے، سوچ اور غور و فکر ضروری ہے۔ اس لیے اس میں درست رائے کا اعتبار ہو گا، اکثریت اور اقلیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اس معاملے میں ماہرینِ فن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ فوجی امور میں فوجی ماہرین، فقہی امور میں فقہاء اور مجتہدین، طبّی امور میں طب کے ماہرین، انجنیئرنگ میں ماہر انجنیئرز اور فکری امور میں مفکرین کی طرف رجوع کیا جائے گا، علیٰ ھٰذاالقیاس۔ ان جیسے امور میں رائے اور فکر کی درستی کا اعتبار ہو گا، اکثریت کا نہیں۔ صحیح بات اس کے ماخذ سے لے لی جائے گی، اور وہ ماہرینِ فن ہوں گے نہ کہ اکثریت۔ پارلیمنٹ کے اراکین، خواہ مسلمان ملکوں میں ہوں، یا مغرب میں، عموماً ماہرین نہیں ہوتے، اور ان امور میں گہری سوجھ بوجھ بھی نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان امور میں اراکین کی اکثریت کی رائے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ان کی مخالفت یا موافقت برائے نام ہوتی ہے، اور یہ کسی احساس اور معرفت کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اِن امور میں اکثریت کی رائے کو اختیار کرنا ضروری نہیں۔ اس کی دلیل غزوۂ بدر کا واقعہ ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حبابؓ بن منذر کی رائے سے اس جگہ کو بدل دیا، جہاں آپ ﷺ اترے تھے، اور حبابؓ کی رائے کو ترجیح دی کیونکہ حبابؓ کو ٹھکانوں کا زیادہ علم تھا۔ آپ انے اس معاملے میں کسی اور صحابی سے مشورہ نہیں کیا تھا۔

وہ امور، جن میں عملی اقدام کی ضرورت ہوتی ہے، گہرے سوچ بچار اور غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی، تو ان امور میں اکثریت کی رائے کو لیا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثریت ان امور کا ادراک کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی رائے دیں، جس میں سہولت اور آسانی ہو یا اس میں مصلحت ہو۔ اس کی مثال یہ ہے: کیا ہم فلاں کو منتخب کریں یا فلاں کو؟ ہم سفر کریں یا نہ کریں؟ ہم صبح کے وقت سفر کریں یا شام کے وقت؟ ہم ہوائی جہاز سے سفر کریں یا بحری جہاز سے یا ریل گاڑی سے۔ ان جیسے امور کو ہر انسان جانتا ہے۔ اس لیے اس میں کوئی بھی اچھی رائے دے سکتا ہے۔ پس اس میں اکثریت کی رائے کا اعتبار ہو گا اور اکثریت کی رائے ہی کو لیا جائے گا۔ اس کی دلیل غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور بڑے صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے نہ نکلا جائے، جبکہ اکثریت خصوصاً جوان صحابہؓ کی رائے تھی کہ باہر نکل کر قریش کا مقابلہ کیا جائے۔ گویا رائے نکلنے اور نہ نکلنے کے بارے میں تھی۔

جب اکثریت نے نکلنے کی رائے دی تو رسول اللہ ﷺ اپنی اور کبار صحابہؓ کی رائے کو چھوڑتے ہوئے مقابلے کے لیے مدینہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔

- جمہوریت کے نمایاں ترین افکار میں سے ایک فکر عام آزادیوں کا نظریہ ہے۔ یہ جمہوریت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی کی بنیاد پر فرد اپنے ارادے کو استعمال کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور کسی جبر و اکراہ کے بغیر اپنے ارادے کے مطابق چل سکتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق جب تک عوام کے تمام افراد کو خوب عام آزادی نہ دی جائے، اس وقت تک وہ اپنا عمومی ارادہ ظاہر نہیں کر سکتے۔

فرد کی آزادی جمہوری نظام میں ایک مقدس چیز ہے۔ لہٰذا فرد یا ریاست اس آزادی کو ختم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام انفرادیت کا نظام سمجھا جاتا ہے۔ عام آزادیوں کی حفاظت کو ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جمہوریت کی عام آزادی سے مراد استعماریت کی شکار قوموں کو ان استعماری قوتوں سے آزادی دلانا نہیں، جو ان قوموں کی دولت سمیٹتی ہیں اور ان کی پیداوار چھینتی ہیں۔ کیونکہ استعماریت کا نظریہ بھی جمہوریت کی عام آزادیوں کے نظریات کا نتیجہ ہے۔ ان عام آزادیوں کا مطلب غلامی سے آزادی دلانا اور گردن چھڑانا نہیں کیونکہ آج ایسی غلامی کا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔

عام آزادیوں سے چار آزادیاں مراد ہیں:

(1) عقیدے کی آزادی

(2) آزادیٔ رائے

(3) ملکیت کی آزادی

(4) شخصی آزادی

اسلام میں ان چار قسم کی آزادیوں کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان اپنے تمام اعمال میں احکامِ شریعت کا پابند ہے۔ وہ کسی عمل میں آزاد نہیں اور نہ اسلام میں آزادی ہے۔ اسلام میں صرف غلام کی غلامی سے آزادی ہے، اور یہ غلامی بھی بہت عرصہ سے ختم ہو چکی ہے۔

یہ چار آزادیاں اسلامی احکامات کے سراسر خلاف ہیں۔ ان کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے:

عقیدے کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس قسم کا عقیدہ رکھنا چاہے، رکھ سکتا ہے اور جو دین وہ اپنے لیے پسند کرے، اختیار کرلے۔ اسی طرح وہ اپنے پہلے عقیدے اور دین کو چھوڑ کر نیا عقیدہ اور دین بھی اختیار کر سکتا ہے اور دین کو ترک بھی کر سکتا ہے۔ اس میں اس پر کسی قسم کا جبر نہیں ہوگا۔ تو گویا ایک مسلمان عیسائی یا یہودی بن سکتا ہے، بدھ مت اختیار کر سکتا ہے، یا اس آزادی کے نتیجے میں کمیونسٹ بھی بن سکتا ہے۔ لیکن ریاست اسے منع نہیں کر سکتی۔ جبکہ اسلام اسلامی عقیدے کو چھوڑنے، یہودی، عیسائی، بدھ مت، کیمونزم یا سرمایہ دارانہ عقیدہ اپنانے کو حرام قرار دیتا ہے۔ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ اگر وہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرے، تو اسے قتل کیا جائے گا، اس کا مال لیا جائے گا اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)

"جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو"

اگر مرتدین ایک جماعت کی شکل اختیار کریں اور اپنے ارتداد پر اصرار کریں، تو ان سے جنگ کی جائے گی، تاکہ وہ یا تو اسلام کی طرف لوٹ آئیں، یا ان کی روک تھام کر دی جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد کچھ لوگ اسلام سے پھر گئے تو ابو بکرؓ نے ان سے زبردست جنگ کی یہاں تک کہ جو باقی بچے، وہ دوبارہ مسلمان ہوئے۔

جمہوری نظام میں آزادی رائے سے مراد یہ ہے کہ ہر فرد کو اجازت ہے کہ وہ کوئی بھی رائے اور فکر کو اختیار کر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی بھی فکر اور رائے کی طرف دعوت بھی دے سکتا ہے۔ اسے اس بات کی مکمل آزادی ہو گی اور اس کے لیے وہ کسی بھی قسم کا اسلوب اختیار کر سکتا ہے۔ کوئی فرد یا ریاست اس وقت تک اسے منع نہیں کر سکتے، جب تک اس عمل سے کسی دوسرے کی آزادی متاثر نہ ہو۔

اسلام میں معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ ہر مسلمان اپنے تمام افعال اور اقوال میں شرعی نصوص کا پابند ہے۔ اس کے لیے کوئی ایسا عمل کرنا، یا کوئی ایسی بات کہنا، جو شرعی نصوص کے خلاف ہو، جائز نہیں۔ اس لیے ایک مسلمان اسی رائے کو اختیار کر سکتا ہے اور اس کی طرف دعوت دے سکتا ہے، شرعی نصوص جس کی اجازت دیں۔ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایسی رائے کا علمبردار بنے یا اس کی طرف دعوت دے، جس کی شرعی نصوص اجازت نہیں دیتیں۔ اگر پھر بھی وہ ایسا کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔ لہٰذا مسلمان رائے کے اعتبار سے احکامِ شرعیہ کا پابند ہے، اور اس امر میں آزاد نہیں ہے۔

اسلام ہر زمانے اور ہر جگہ حق بات کہنے کو فرض قرار دیتا ہے، جیسا کہ عبادہؓ بن صامت کی حدیث میں ہے:

(...وَاَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

"...اور یہ کہ ہم ہر جگہ حق بات کہیں گے، جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے"

اس طرح اسلام نے حکمرانوں کو مشورہ دینے اور ان کا محاسبہ کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ ام عطیہ نے ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)

"ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے"

اورابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا، جس نے عقبہ (گھاٹی) کے پاس آپ ﷺ سے سوال پوچھا تھا کہ کون سا جہاد افضل ہے:

(كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ عِنْدَ ذِیْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)

"وہ حق بات، جو جابر حکمران کے سامنے کہی جائے"

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

(سَیِّدُ الشُّھدَآءِ حمزه بن عبد المطلب وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰی اِمَامَ جَائِرٍ فَاَمَرَهُ وَنهَاهُ فَقَتَلَهُ)

"شہداء کے سردار حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں۔ اور وہ شخص، جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر اسے نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، اور وہ حکمران اسے قتل کر دے"

یہ رائے کی آزادی نہیں، بلکہ یہ احکامِ شرعیہ کی پابندی ہے۔ بعض حالات میں رائے کا اظہار مباح ہوتا ہے اور بعض دفعہ فرض۔

اسی طرح ملکیت کی آزادی سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی پیداوار ہے۔ اس کے نتیجے میں قوموں کو نوآبادیات بنانے، ان کی دولت ہتھیانے، اور ان کی جائیدادیں چھیننے کا نظریہ پیدا ہوا۔ کیونکہ یہ نظریہ کسی بھی طریقے سے مال کے مالک ہونے اور کسی بھی طریقے سے اس میں اضافہ کرنے کو مباح قرار دیتا ہے۔ پس اس نظام میں انسان مال کا مالک ہو کر استعماری طریقے سے اس میں اضافہ کر سکتا ہے۔ وہ چوری، ذخیرہ اندوزی، سود، دھوکہ دہی، ملاوٹ، غبنِ فاحش (ٹھگ بازی)، جواء، زنا اور ہم جنس پرستی کے ذریعے، اور شراب، رشوت وغیرہ کے ذریعے اپنے مال کو بڑھا سکتا ہے۔ اسلام مال کمانے کی اس آزادی کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ وہ قوموں کے استعماری نظریے، ان کے وسائل

چھیننے، اوران کی دولت پر قبضہ کرنے کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام سود کے خلاف بھی، جس کے فوائد مرکب ہوں یا مفرد، اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ ہر قسم کا سود اسلام میں ممنوع ہے۔

اسلام نے ملکیت کے اسباب، مال میں اضافے کے ذرائع اور اس کے خرچ کرنے کی کیفیت کو متعیّن کر دیا، اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو حرام قرار دیا اور مسلمان کے لیے صرف انہی اسباب کو اختیار کرنا فرض قرار دیا۔ اسلام نے اس کو آزاد نہیں چھوڑا کہ جو انسان جو چاہے کرے۔ بلکہ اس کو شرعی احکام میں مقید کر دیا ہے۔ اسلام نے لوٹ مار، چوری، رشوت، سود، جواء، دھوکہ بازی، ملاوٹ، ٹھگ بازی، لین دین میں کھلے دھوکے، شراب بنانے اور فروخت کرنے، اور عصمت فروشی کے ذریعے مال کمانے یا مال میں اضافہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مال کے مالک بننے یا مال کو بڑھانے کے یہ تمام اسباب اسلام میں ممنوع ہیں۔ ان ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے اور حاصل کرنے والے کو سزا بھی ملے گی۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں ملکیت کی آزادی نہیں، بلکہ ایک مسلمان مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامِ شرعیہ کا پابند ہے اور ان احکام سے تجاوز کرنا مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

اسی طرح شخصی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر پابندی سے آزاد ہے۔ وہ ہر روحانی، اخلاقی اور انسانی قدر سے آزاد ہے۔ یہ خاندان کو توڑنے، اس کے ڈھانچے اور بندھن کو کھول دینے والی آزادی ہے۔ اس کے نتیجے میں زبردست گمراہی کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور محرمات کو مباح کر لیا جاتا ہے۔ اور اسی آزادی نے مغربی معاشروں کو حیوانی معاشروں میں بدل دیا ہے، جسے دیکھ کر ہی انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

اس آزادی نے انسان کو یہ حق دیا کہ وہ اپنی شخصی اور ذاتی زندگی میں جو بھی پسند کرے اسے اختیار کر لے، اور اسے اختیار کرنے میں وہ مکمل طور پر آزاد ہے۔ ریاست یا کوئی اور اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس آزادی نے زنا، لواطت، ہم جنس پرستی، شراب نوشی، عریانی الغرض ہر برے کام کو جائز قرار دیا۔ اسلام اس آزادی کا سخت مخالف ہے۔ اسلام میں کوئی شخصی آزادی نہیں۔ مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا پابند ہے۔ اس لیے

کوئی ایسا کام کرنا حرام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ لہٰذا کوئی حرام کام کا ارتکاب کرتا ہے، تو وہ سخت گنہگار ہے اور اسے سزا دی جائے گی۔

اسلام نے زنا، ہم جنس پرستی، شراب نوشی، عریانی وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اور ان پر سخت سزا مقرر کی ہے۔ اسلام نے اعلیٰ اخلاق اپنانے اور اچھی خصلتیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اسلامی معاشرہ کو پاکیزگی اور پاک دامنی کا معاشرہ اور بلند اقدار کا معاشرہ بنایا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ مغربی تہذیب، مغربی اقدار، مغربی نقطۂ نظر، مغربی جمہوریت اور عام آزادیاں اسلامی احکامات سے کلی طور پر متصادم ہیں۔ یہ کفریہ افکار، کفریہ تہذیب، کفریہ نظام اور کفریہ قوانین ہیں۔ یہ کہنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور شوریٰ اسی کا نام ہے، اور جمہوریت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہے، اور جمہوریت حکمرانوں کا محاسبہ ہے۔ شوریٰ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حکام کا محاسبہ، یہ سب احکامِ شرعیہ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور مسلمانوں کو ان پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے۔ جمہوریت کوئی حکمِ شرعی نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہیں، بلکہ اسے خود انسان نے وضع کیا ہے۔ یہ شوریٰ سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ شوریٰ رائے کا اظہار ہے جبکہ جمہوریت زندگی کے بارے میں ایک نقطۂ نظر ہے۔ یہ دستوروں، نظاموں اور قوانین کی قانون سازی ہے، جسے انسان اپنی عقل سے وضع کرتا ہے۔ عقل ہی کی بنیاد پر اپنے مفادات کے لیے اس کی قانون سازی کی جاتی ہے، وحی کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے جمہوریت کو اختیار کرنا، اس کی طرف دعوت دینا، اس کی بنیاد پر جماعتیں بنانا، زندگی کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر کو اپنانا، اسے نافذ کرنا، اسے دستوروں اور قوانین کے لیے بنیاد بنانا، اسے قوانین اور دستوروں کا مصدر بنانا اور تعلیم یا تعلیمی مقاصد کی بنیاد بنانا، بالکل حرام ہے۔

یہ نجس ہے، اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ طاغوت ہے اور یہ کفریہ افکار کا مجموعہ ہے۔ یہ کفریہ نظام اور قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں پر اسلام کو زندگی، ریاست اور معاشرے میں مکمل طور پر نافذ کرنا فرض ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْم بَّعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَ تْ مَصِيْرًا﴾

"اور جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور راہِ راست کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اہلِ ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، تو اسے ہم اسی طرف چلتا کر دیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا۔ اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے، جو بد ترین جائے قرار ہے" (النساء:115)